اردو خودنوشت میں خاکے کا رجحان

صنم نسیم

ABSTRACT:

Autobiography is detailed life of the author written by himself, where as character sketch is brief life of person written by other ones based on their characterstics, behaviour mainly pesonality etc. Life of any person is a combination of experiences related to other persons, so most autobiographies represent the personalities of different people.

Underconcideration work consist of the brief introduction and description of Urdu Autiobiographies which have brief or detailed but complete personality sketches of different common people, writers, poets and other personalities as well. It shows the impact of the genre of Urdu Character Sketch on Urdu Autobiographies.

مصنف کی اپنی زندگی کی سرگزشت اور واقعاتی تفصیل کو خودنوشت سوانح حیات سے معنون کیا جاتا ہے۔ اس کو آپ بیتی Autobiography بھی کہا جاتا ہے۔ آپ بیتی میں مصنف کی زندگی کے تمام واقعات تواتر سے بیان ہوتے ہیں۔ یہ واقعات ایک لحاظ سے نامکمل ہوتے ہیں کیوں کہ مصنف انھیں اپنی زندگی میں پایۂ تکمیل کو پہنچاتا ہے۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، ''کشاف تنقیدی اصطلاحات'' میں لکھتے ہیں:

> ''وہ تصنیف جس میں مصنف نے اپنے حالات زندگی خود قلم بند کیے ہوں۔ اسے خودنوشت سوانح عمری بھی کہا جاتا ہے۔''۔۔۔۔(۱)

انسان اپنی زندگی میں بے شمار حادثات و واقعات سے دوچار ہوتا ہے جو خوش آیند بھی ہوتے ہیں اور پریشان کن بھی، مگر ان سب کو دیانت داری سے بیان کرنا ہی خودنوشت سوانح عمری کا منبع و مقصد ہوتا ہے۔ آل احمد سرور، خواب باقی ہیں میں لکھتے ہیں:

''خودنوشت سوانح عمری کا فن چوں کہ محض نظارے نہیں نظر کا بھی فن ہے۔اس لیے سائنسی صحت اور واقعیت کے بہ جائے ایک مخصوص زاویہ نگاہ کی اہمیت شاید یہاں زیادہ ہے۔خود نوشت تاریخ نہیں ہے مگر اس میں تاریخی حقائق ضروری ہیں۔یہ واقعات کا خشک بیان بھی نہیں ہے۔ان واقعات کے ساتھ جو کیفیات وابستہ ہیں ان کی داستان بھی ہے۔''۔۔۔۔(۲)

واقعات کی مانند انسان کی زندگی میں کئی ایک افراد بھی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں جن کو وہ اپنی زندگی کا حصہ تصور کرتا ہے یا کم از کم متاثر ضرور ہوتا ہے۔بعض مصنفین خودنوشت سوانح میں دیگر شخصیات کا تذکرہ اس خصوصیت سے کرتے ہیں کہ ان شخصیات کے کردار،افکار،عادات واطوار اور شخصیت کے اہم پہلو واضح ہو جاتے ہیں۔یہ تذکرے خاکوں کی صورت میں اردو کی کئی خودنوشتوں کا حصہ ہیں۔یہ تذکرے بسا اوقات شخصیات کے مکمل خاکوں کی صورت میں لکھے جاتے ہیں جب کہ کچھ محض تعارف، ملاقاتوں یا سرسری حوالوں کی صورت میں خودنوشت کا حصہ بنا دیئے جاتے ہیں۔اردو خودنوشت سوانح حیات کی ایک طویل فہرست موجود ہے جن میں مصنفین نے شخصیات کے مکمل خاکے پیش کیے ہیں اور یہ خاکے،خاکہ نگاری کے تمام تر لوازمات سے مزین ہیں۔اردو کی ابتدائی آپ بیتیوں میں اولیت جعفری تھانیسری (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۵ء) کی تواریخ عجیب یا کالا پانی کو حاصل ہے جو ۱۸۷۹ء میں لکھی گئی۔جعفر تھانیسری انگریزی اقتدار میں سزا کے طور پر جزائر انڈمان بھیجے گئے۔یہ آپ بیتی انھیں یادوں پر مشتمل ہے۔عبدالغفور نساخ (۱۸۳۰ء۔۱۸۸۷ء) نے آپ بیتی کے عنوان سے خودنوشت سوانح ۱۸۸۶ء میں لکھی مگر کافی عرصہ بعد شائع ہوئی۔ظہیر دہلوی (۱۸۳۵ء۔۱۹۱۱ء) نے داستان غدر ۱۹۱۰ء میں لکھی جس میں اپنے عہد کی تہذیب اور حالات کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے اور مخصوص اشخاص کا ذکر بھی۔مولوی فیروزالدین (۱۸۶۴ء۔۱۹۴۹ء) کی جہاد زندگانی انیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں لکھی گئی مگر پہلی بار ۱۹۵۹ء میں شائع ہوئی۔خواجہ حسن نظامی (۱۸۷۸ء۔۱۹۵۵ء) کی آپ بیتی ۱۹۱۹ء میں شائع ہوئی۔خواجہ حسن نظامی نے اپنی زندگی کے تمام واقعات ترتیب اور صداقت سے ضبط تحریر میں لا کر خودنوشت کا حقیقی حق ادا کیا ہے۔ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء) کی خودنوشت تذکرہ ۱۹۱۹ء (۳) میں شائع ہوئی۔اس میں شخصیات کا مختصر سوانحی ذکر موجود ہے اور اسلوب بیان مشکل پسندی کا شکار ہے۔سر رضا علی (۱۸۸۰ء۔۱۹۴۹ء) نے اعمال نامہ کے عنوان سے ۱۹۴۳ء میں اپنی شہرہ آفاق خودنوشت تحریر کی تو ایک طرف اسے اپنی زندگی کا منظر نامہ بنا دیا تو دوسری طرف قاضی سید عبدالرزاق،رستم خاں دکھنی،میر ہادی علی، مولوی قیام الدین احمد،نواب سر احسن اللہ،محسن الملک،وقارالملک،لارڈ کرزن،امیر حبیب اللہ خاں وغیرہ جیسی شخصیات کے خصائل کی پیش کش خاکوں کی صورت میں کر دی۔ جیتی جاگتی تصویریں کے عنوان سے ۸ دوستوں کے عمدہ اور دلچسپ خاکے تخلیق کیے گئے ہیں۔قاضی شوکت حسین کا حلیہ یوں پیش کیا ہے:

''چھوٹے قد پر چڑھی ہوئی ڈاڑھی،بڑی بڑی مونچھیں،خوب بڑی آنکھیں،کھلتا رنگ،سر کے بیچوں بیچ مانگ،دونوں جانب بڑے بڑے پٹھے،سر پر لیس کی گول ٹوپی،بدن میں ہلکے اودے

کم خواب کی اچکن، اوس کے اوپر نیمہ آستین‘‘۔۔۔(۴)

عبدالرزاق کانپوری (۱۸۷۴ء۔۱۹۴۸ء) کی ’’یادایام‘‘ ۱۹۴۵ء میں چھپی۔ یاد ایام بھوپال کے ایک رسالہ میں قسط وار مضمون کی صورت میں ۵۳ اقساط میں چھپی۔ پھر حیدرآباد دکن میں ۱۹۴۵ء میں اس کی اشاعت ہوئی (۵)۔اس میں عبدالرزاق کانپوری نے اپنے عہد کے حالات و واقعات اور زندگی کے حوادث کے علاوہ سرسید احمد خاں، شبلی نعمانی، اکبر حسین الٰہ آبادی، سید امیر علی، سید مہدی علی خاں، محسن الملک، منشی ذکا اللہ، محمد حسین آزاد، الطاف حسین حالی وغیرہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔عبدالرزاق کانپوری نے اپنے سوانحی حالات اور اجداد کے کارنامے بیان کرنے کے علاوہ شخصیات کے حالات زندگی اور ادیبانہ کاوشیں بھی تفصیلی بیان کی ہیں۔ان تذکروں میں مختلف ملاقاتوں کی جھلکیوں کے علاوہ شخصیت نگاری بھی نمایاں ہے مثال کے طور پر وہ مولانا شبلی نعمانی کا سراپا یوں پیش کرتے ہیں:

> ’’مولانا اپنی جگہ سے اٹھ کر صدر چبوترے پر تشریف لائے اور زرد رنگ کا حجازی (کار چوبی) رومال سر سے ہٹایا۔ اُس وقت معلوم ہوا کہ آپ کی عمر تقریباً
> پر گول سیاہ داڑھی تھی۔ آنکھوں میں خاص قسم کی چمک اور بشرہ سے شرفت ٹپکتی تھی اور کبھی کبھی
> بائیں ابرو بھی پھڑکتی تھی۔ جدید فیشن کی گرم اچکن تھی اور سر پر پارسی نما سیاہ اونچی ٹوپی جو تقریباً
> نصف رومال سے چھپی ہوئی تھی۔‘‘۔۔۔(۶)

مرزا فرحت اللہ بیگ (۱۸۸۳ء۔۱۹۴۷ء) باقاعدہ اولین خاکہ نگار کے طور پر مشہور ہیں۔مرزا فرحت اللہ بیگ کی آپ بیتی میری داستان ۱۹۴۴ء میں لکھی گئی اور پہلی بار ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر غلام یزدانی، میری داستان کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> ’’میری داستان سے میر عثمان علی خان۔ نظام حیدرآباد اور ان کے عہد کے امراء۔ جاگیرداروں اور عمال حکومت کی زندگیوں کا ایک حقیقت پسندانہ نقشہ بھی سامنے آتا ہے۔‘‘۔۔۔(۷)

اپنی خودنوشت میں مرزا فرحت اللہ بیگ نے اپنے خاندان کے افراد، دوستوں، اساتذہ اور دیگر افراد کے مرقع بھی تخلیق کیے ہیں۔

حکیم احمد شجاع (۱۸۹۵ء۔۱۹۶۹ء) کی آپ بیتی خوں بہا پہلی بار ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی (۸)۔حکیم احمد شجاع نے اپنی آپ بیتی میں اپنے آباؤ اجداد، خان دانی ملازم، عوام، شاگردوں اور دیگر احباب کے دل چسپ مرقع تخلیق کیے ہیں ۔عبد المجید سالک (۱۸۹۴ء۔۱۹۵۹ء) کی آپ بیتی سرگزشت ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔عبدالمجید سالک نے اپنے دادا، مولوی نذیر احمد، مولانا محمد حسین آزاد، ملا حیات اللہ (نوکر) رفعت بخاری، نواب ٹونک، حامد حسین بیدل، آغا حشر کاشمیری، مولوی سید ممتاز علی، ڈاکٹر اقبال، مولانا گرامی، حکیم فقیر محمد، مولوی نجم الدین، مولوی خلیل الرحمٰن اور دیگر افراد کی مختصر اور طویل مرقع کشی کی ہے سرگزشت کی ۲۸/اقساط امروز میں چھپیں۔باقی نوائے پاکستان میں شائع ہوئیں۔جن شخصیات کا نسبتاً تفصیلی ذکر ہے ان کی نجی زندگی اور شخصیت

نگاری کی عمدہ تصویر کشی کی گئی ہے۔مولانا گرامی کی ذات کو یوں منکشف کیا گیا ہے:

''مولانا گرامی کی ذات دل چسپیوں کی پوٹ تھی ۔بعض اوقات سردیوں کے موسم میں رات کے وقت انھیں محسوس ہوتا کہ سر کے نیچے تکیہ کافی اونچا نہیں۔ نیچے سے توشک نکال کر لپیٹتے۔اور سرہانے رکھ لیتے۔پھر بھی طبعیت مطمئن نہ ہوتی تو لحاف کو گاؤ تکیہ بنا کر رکھ لیتے۔اور پھر صبح کے وقت شکایت کرتے کہ ساری رات جاڑے میں مر گیا۔تم لوگ کافی بستر کیوں نہیں دیتے۔علی بخش کہتا۔مولوی صاحب بستر تو دیا تھا۔لیکن آپ نے کوہ ہمالیہ بنا کر سر کے نیچے رکھ لیا۔اس پر اسے برا بھلا کہنے لگتے۔''۔۔۔(۹)

ملا واحدی(۱۸۸۸ء۔۱۹۷۶ء)نے دو آپ بیتیاں میرے زمانے کی دلی اور میرا افسانہ کے عنوان سے تحریر کیں۔اول الذکر ۱۹۵۶ء میں اور ثانی الذکر ۱۹۶۶ء میں شائع ہوئی۔''میرے زمانے کی دلی'' میں ملا واحدی کے خان دان اور دہلی کے افراد،اساتذہ،خواجہ شہاب الدین،منشی ذکا اللہ اور کئی افراد کے مختصر تعارف،ذکر اور ملاقاتیں دیکھی جا سکتی ہیں۔یہ مذکور مکمل خاکے تو نہیں البتہ حلیہ نگاری اور خصائل نگاری کا عمدہ نمونہ ضرور ہیں مثلاً خواجہ شہاب الدین کی حلیہ نگاری کا عکس ملاحظہ ہو:

''خواجہ شہاب الدین پڑھانے کے کمرہ میں آتے اور بہ جائے کرسی کے میز پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ جاتے اور لڑکوں سے خطاب شروع کر دیتے۔لمبا چوڑا اور متناسب ڈیل۔میدہ شہاب رنگ، شریفانہ اور بزرگانہ خدوخال، سر پر عمامہ،جسم پر چغہ، زبان میں طلاقت،سر میں فراست،رُعب کی جگہ رُعب،محبت کی جگہ محبت،حکمت اور موعظت کی باتیں،اُن کے شاگردوں کو اُن سے وہ فیض پہنچتا تھا کہ آج کل اس کا تصور کرانا مشکل ہے۔''۔۔۔(۱۰)

میرا افسانہ (۱۱) میں علامہ اقبال،مولانا شبلی نعمانی،مولانا ابوالکلام آزاد،سر عبدالقادر،مولانا ظفر علی خاں،عبدالحلیم شرر اور دیگر ادبا کا مختصر ذکر کیا گیا ہے۔ رشید احمد صدیقی (۱۸۹۲ء۔۱۹۷۷ء) کی خودنوشت''آشفتہ بیانی میری'' کے عنوان سے۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی اس میں رشید احمد صدیقی نے اپنے اساتذہ اور دوستوں کے خاکوں کے علاوہ اپنے عہد کے حالات اور مخصوص تہذیب و معاشرت کی عکاسی بھی کی ہے۔احباب ،دوستوں اور دیگر ادبا میں ذاکر صاحب،کُھمانی،سہیل احمد،غلام حسین،سر سید احمد خاں،مولانا الطاف حسین حالی،مولوی نزیر احمد،شیخ جی(پوسٹ مین)اور دیگر عوام و خواص کا تفصیلی ذکر خاکوں کے انداز پر کیا ہے مثلاً کُھمانی کا حلیہ یوں پیش ہوا ہے:

''کُھمانی تفریح تھے،ٹریجڈی تھے،بھید تھے،علامت تھے،تقریر تھے،جانے کیا تھے،شاید یہ سب ایک ساتھ تھے۔اتنے اور اس طرح کے بوڑھے کی عمر کا اندازہ لگانا مشکل تھا،چونچال اتنے کہ نوجوانوں نہیں بچے کا دھوکہ ہوتا تھا۔بات زیادہ دیر تک نہیں کر پاتے تھے۔سپاہیوں کی طرح قواعد پریڈ کرنے لگتے اور معلوم نہیں کس کس زبان کے الفاظ میں پریڈ کے احکام نافذ کرتے تمام جاڑے میلے بادامی رنگ کی روئی دار پوری آستین کی مرزئی،ویسا ہی روئی دار

پایجامہ اسی رنگ کا روئی کا کنٹوپ زیب تن رہتا۔گرمیوں میں صرف کرتا اور لنگوٹی۔''۔(۱۲)

شوکت تھانوی (۱۹۰۵ء۔۱۹۶۳ء) نے بھی ''مابدولت'' (۱۳) اور'' کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے عنوان سے دو آپ بیتیاں لکھیں جو رسائل میں قسط وار چھپیں اور بالترتیب ۱۹۴۵ء اور ۱۹۶۴ء میں کتابی صورت میں شائع ہوئیں۔ان دونوں ہی میں بہت سے افراد کا بڑی شگفتہ بیانی اور دل چسپ اسلوب بیان میں ذکر ہے۔ کچھ یادیں کچھ باتیں میں شوکت تھانوی نے اپنے اساتذہ جیسے مولانا عبدالباری آسی اور مولانا وصل بلگرامی وغیرہ کے خاکے بھی تخلیق کیے ہیں۔ان خاکوں میں شوکت تھانوی نے خوش مزاقی کا دامن ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔مثال کے طور پر مولانا وصل بلگرامی کا حلیہ ملاحظہ ہو:

> ''قد آدم ٹماٹر۔چہرہ پر نہایت نورانی کھچڑی۔ڈاڑھی جس میں بالوں نے کچھ گنگا جمنی سی کیفیت اختیار کر رکھی تھی کہ کچھ بال تو سفید ہو چکے تھے اور جو باقی تھے وہ سفید ہونے کے لیے بھورا رنگ دے رہے تھے گدبدا جسم، درمیانہ قد، گفت گو اس قدر شارٹ ہینڈ میں فرماتے تھے کہ اس تیزی میں زبان بار بار پھسلتی ہوئی محسوس ہوتی تھی اور شبہ ہوتا تھا کہ خیر سے جناب ہکلے بھی ہیں حالاں کہ اچھے خاصے تھے صرف شوق یہ تھا کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ بات کر جائیں۔تاکہ سننے والا مفہوم کے پیچھے دوڑتا رہ جائے۔یہ تھے مولانا وصل بلگرامی''۔(۱۴)

شوکت تھانوی کی خود نوشتوں میں کئی افراد کے مختصر خاکے موجود ہیں۔اختصار کی یہ خاصیت ان کی دیگر خاکوں کی تصانیف میں بھی ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔چودھری ظفر اللہ (۱۸۹۳ء۔۱۹۵۸ء) کی آپ بیتی تحدیث نعمت (۱۵) ۱۹۷۱ء میں منظر عام پر آئی۔اس میں انھوں نے گورنمنٹ کالج لاہور کے اساتذہ اور طلباء، کنگز کالج، لنکز ان کالج کے اساتذہ، مسز فائزن، مس لائیز اپارسنز، مسز ایملی، کرنل ومسز ناورڈ، سردار محمد اکبر خاں وغیرہ سے ملاقاتوں اور تعارف کے مختصر تذکرے کیے ہیں۔ڈاکٹر اعجاز حسین (۱۸۹۸ء۔۱۹۷۵ء) کی خود نوشت میری دنیا ۱۹۶۵ء میں منظر عام پر آئی۔اس میں الہ آباد یونی ورسٹی کے حالات اور بعض اہم افراد کا ذکر ہے۔جوش ملیح آبادی (۱۸۹۸ء۔۱۹۸۲ء) نے آپ بیتی یادوں کی برات لکھی کو ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔جوش ملیح آبادی نے اپنی آپ بیتی میں اپنے پر دادا، دادا، والد، والدہ، چچا، بیوی، بیٹی اور بیٹے کے خاکوں کے علاوہ ''قابل ذکر احباب'' کے عنوان سے ۳۳ مختصر اور طویل خاکے اور میرے دور کی چند عجیب ہستیاں میں ۱۹ خاکے پیش کیے ہیں۔انھوں نے افراد کی خامیوں اور کم زوریوں سے پہلو تہی نہیں برتی۔انداز بیان بے تکلف اور دلچسپ ہے۔افراد کی حلیہ نگاری، عادات و اطوار اور شخصیت سازی میں جزئیات کو ملحوظ رکھا ہے۔اپنے عہد کی داستان اور گھریلو ماحول کا بھی تفصیلی ذکر کیا ہے۔آخر میں ان کے آٹھ معاشقوں کا دل چسپ تذکرہ موجود ہے۔مثال کے طور پر وحیدالدین سلیم کا حلیہ یوں پیش کیا ہے:

> ''جسم اس قدر بھدا اور صورت اس قدر نا قابل برداشت کہ الامان والحفیظ۔ان کے چہرے کا

رنگ اس قدر کٹّھا اور لبدھڑ تھا،گویا بہت پرانا،چکٹا ہوا کڑا تیل جما ہوا ہے'اور ان کے رخساروں پر ایسی بے آبرو کر دینے والی داڑھی لٹکی ہوئی تھی کہ جب نگاہ اس کی جانب اٹھتی تھی' تو ہزاروں گدُ دیکھنے والوں کے پپوٹوں پر آ کر بیٹھ جاتے اور بیٹ کرنے لگتے تھے۔''۔۔۔(۱۶)

یوسف حسین خان(۱۹۰۲ء۔۱۹۷۹ء) کی خودنوشت یادوں کی دنیا ۱۹۶۷ء میں شائع ہوئی۔انھوں نے اس میں نواب رشید خاں،محمد خاں بنگش،اپنے دادا،بدھن خالہ، والد، بھائی،قائم گنج کے چند اشخاص حسین بوڑھے،خوب صورت جوان،جامعہ کے اساتذہ،چند اصحاب اور چند شخصیتیں کے عنوانات کے تحت کئی افراد کا مختصر اور طویل ذکر کر کے خاکے تخلیق کیے ہیں مثلاً مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا علمائے سلف کا نمونہ ہیں،نہایت خلیق اور ملن سار۔ان کی ملن ساری،خاک ساری کی حدوں کو چھوتی ہے۔اپنے علم و فضل کو سادگی کہ روا میں چھپاتے ہیں۔لیکن یہ ایسی چیز نہیں کہ کسی کے چھپائے چھپ جائے۔جب ان کی تقریر سٹرانچی ہال میں ہوئی تو ہال طلبا سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔تقریر میں کہیں زور بیان اور ادّعا پسندوں کا شائبہ نہ تھا۔''۔۔۔(۱۷)

ممتاز مفتی(۱۹۰۵ء۔۱۹۹۵ء) کی دو آپ بیتیاں علی پور کا ایلی ۱۹۶۱ء اور الکھ نگری ۱۹۹۲ء کے عنوانات سے شائع ہوئیں۔''علی پور کا ایلی'' خودنوشت ناول کی حیثیت سے مشہور ہے تاہم ''الکھ نگری'' میں کئی افراد کے باقاعدہ خاکے موجود ہیں،جن میں فکر تونسوی،خالہ سرداراں،پرمیلا،اشفاق احمد،چراغ حسن حسرت،ن۔م۔راشد،عاشق حسین بٹالوی اور یوسف ظفر کے علاوہ دیگر احباب و ادبا کا بھی شمار ہے راجہ شفیع کی شخصیت کو احاطہ تحریر میں یوں لائے ہیں:

''راجہ شفیع ایک متوازن فرد تھا۔وہ محکمہ بحالیات میں ایک کلرک تھا۔اس قدر خوش پوش تھا کہ دیکھ کر لگتا جیسے کوئی بڑا افسر ہو۔بات کرنا جانتا تھا۔ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق بات کرتا۔حتی الوسع غریبوں کی مدد کرتا۔اس میں تعلقات عامہ کی بڑی صلاحیت تھی۔نتیجہ یہ تھا کہ سارا شہر اسے جانتا تھا۔''۔۔۔(۱۸)

کلیم الدین احمد(۱۹۰۸ء۔۱۹۸۳ء) نے اپنی تلاش میں کے عنوان سے تین جلدوں پر مشتمل آپ بیتی لکھی۔پہلی جلد ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔کلیم الدین احمد نے اپنی آپ بیتی میں اپنی تعلیم اور ملازمت سے تعلق رکھنے والے افراد کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔اس حوالے سے عشرت رحمانی(۱۹۱۰ء۔۱۹۹۲ء) کا نام بھی قابل ذکر ہے۔ان کی آپ بیتی عشرت فانی ۱۹۸۴ء میں ملازمت کے دوران ملنے والی سیاسی اور دیگر شخصیات سے ملاقاتوں کے تفصیلی تاثرات شخصیت نگاری کی شکل میں موجود ہیں۔اختر حسین رائے پوری (۱۹۱۲ء۔۱۹۹۹ء) کی گرد راہ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئی۔اس میں اسرارالحق مجاز،حسرت موہانی، اختر شیرانی،پروفیسر محمد حبیب،پروفیسر رشید احمد صدیقی،ڈاکٹر ذاکر حسین سے مختصر ملاقاتیں اور تعارف کے عکس موجود ہیں جو مکمل خاکے نہیں مگر شخصی تاثرات کی حیثیت ضرور

رکھتے ہیں۔مثلاً آغا حشر کاشمیری کے حوالے سے ایک واقعہ یوں پیش کیا ہے:

''ایک ایسا ہی واقعہ۱۹۴۳ء میں لاہور میں پیش آیا جہاں آغا صاحب اپنے عزیز دوست حکیم فقیر محمد چشتی کے مہمان تھے اور لوگوں کے ساتھ میں بھی ان کی باتوں کا لطف لے رہا تھا کہ کسی صحافی نے کہنہ مشق ناول نگار ایم اسلم کے تعارف میں کہا ''یہ لاہور کے مال زادہ ہیں'' آغا صاحب نے ڈانٹ کر کہا۔''مال زادہ تو ہوگا یہ تو امیر زادہ ہیں۔''۔۔۔(۱۹)

حمیدہ اختر حسین رائے پوری نے ہم سفر لکھی جو ۱۹۹۹ء میں شائع ہوئی۔ یہ گرد راہ کا تکملہ شمار کی جاتی ہے۔اس میں اختر حسین رائے پوری، بابائے اردو، منیر بانو، پریم بدا دیوی اور اپنے والد کے تفصیلی خاکے مذکور ہیں۔اس کے علاوہ کئی اہم اور غیر اہم شخصیات کا مختصر تذکرہ بھی ملتا ہے۔ان شخصیات کی حلیہ نگاری میں جزئیات کوملحوظ رکھا گیا ہے مثال دیکھیں:

''بابا کی کالی رنگت، موٹی موٹی بھنویں، ذہانت سے چمکتی آنکھیں ٹرائسکی نما داڑھی، بھرا بھرا جسم، درمیانہ قد۔ایوا کا لمبا قد، سفید رنگ، بڑی بڑی صاف شفاف آنکھیں، نیلی نیلی پتلیاں اور خم دار بھنویں، سنہری لمبے بال، ناک اور چہرے کی بناوٹ سے مجھے ان کے یہودی ہونے کا گمان ہوا۔ساری پہنے بڑی ہی پیاری لگ رہی تھیں۔''۔۔۔(۲۰)

احسان دانش (۱۹۱۴ء۔۱۹۸۲ء) نے اپنی آپ بیتی دو حصوں میں لکھی۔ پہلا حصہ جہان دانش کے عنوان سے ۱۹۷۳ء میں اور حصہ دوم ''جہان دگر'' کے عنوان سے ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا۔ ان دونوں میں متعدد شخصیات کے خاکے، مرقعے اور سرسری تذکرے ہیں۔''جہان دانش'' میں احسان دانش نے اپنے ساتھیوں آبائی علاقے لوگوں، قاضی محمد ذکی، اساتذہ، مرزا شفاعت بیگ، پڑوسیوں، اصغر جنگ، سردار سوہن سنگھ، شمعی، شورش کاشمیری وغیرہ کا اختصار اور تفصیلاً یوں ذکر کیا ہے کہ ان کی شخصیت کے اوصاف نمایاں ہو گئے ہیں مثلاً پڑوسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ ایسا مضبوط آدمی بھی نہیں تھا کہ کوئی سخت کام کرسکتا۔ چناں چہ وہ ہمیشہ کھیتوں میں کام کرتا' جس میں کام کم اور ظاہر داری زیادہ ہوتی ہے۔لیکن زمین دار بھی تو مزدور کواُسی قدر معاوضہ دیتا ہے جس سے وہ بہ مشکل تمام جی سکے اور لباس پیوندوں سے فراغت نہ پائے ' منظور کی خستہ حالی نے اُسے ایسے کپڑے پہننے پر مجبور کر دیا تھا جیسے جنگل کی بے رحم آندھیاں جگہ جگہ سے اس کی تھگلیاں نوچ کر لے گئی ہوں اور بگولوں نے اس کا شلوکا مروڑ کے مسکا دیا ہو۔دکھوں کے سوا منظور کے بچوں کے پاس اوڑھنے کا کوئی کپڑا تک نہ تھا۔''۔۔۔(۲۱)

جہان دگر میں احسان دانش نے تقریباً ساڑھے چودہ سو لوگوں کا سرسری ذکر کیا ہے، جن کے ساتھ ان کی ملاقات رہی، دوستی ہوئی یا ایک آدھ بار سرسری تعارف ہوا، اور جس قدر کسی شخص سے ملے اسی قدر اس کا ذکر موجود ہے۔جس میں سیاست دان، دوست، اساتذہ، ادیب، شاعر، مصور، شاعرات اور عوام سبھی شامل ہیں یہ مکمل خاکے نہیں

سرسری تذکرے ہیں۔بعض شخصیات کے محض تعارف ہیں یا ان کے کلام پر مختصر تنقیدی آرا ہیں۔ان میں سے بعض کو ''قلمی چہرہ'' کہا جا سکتا ہے مثلاً جاوید حیات کا قلمی چہرہ یوں پیش کیا ہے:

''کتابی چہرے پر میدہ شہاب رنگ اور شربتی غلافی آنکھیں، انھی سے ملتی جلتی سیاہی مائل زعفرانی خش خشی داڑھی اور بھر بھرا جسم کوئی حق پسند نظر دیکھے تو درود سے فرصت نہ ملے اور سر کے دید بان سے دیکھے تو کف افسوس ملنے کے سوا چارہ کار نہ ہو۔ وہ ہونٹوں سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے کرتے جب موقع بہ موقع آنکھوں سے مسکرا پڑتے ہیں تو صاحب احساس کی روح سجدے کے لیے نیت باندھ لیتی ہے۔''۔۔۔(۲۲)

اختر الایمان(۱۹۱۵ء۔۱۹۹۶ء)نے آپ بیتی اس آباد خرابے میں ۱۹۹۶ء میں ہم عصر ادبا کے بارے میں شائستگی اور خوش بیانی سے اپنے تاثرات تحریر کرتے ہوئے قلم بند کی۔قدرت اللہ شہاب(۱۹۱۷ء۔۱۹۸۶ء) نے ''شہاب نامہ'' ۱۹۸۷ء میں کئی ادبا وشخصیات کا مفصل ذکر کیا ہے۔جن میں شیخ محمد عبد اللہ،چندراوتی،علی بخش،صوفی عنایت خاں، ملک غلام محمد،سکندر مرزا وغیرہ شامل ہیں۔ان شخصیات کی ذہنی افتاد اور نفسیات کی پرکھ قدرت اللہ شہاب نے ایک نفسیات دان اور قیافہ شناس کی طرح کی ہے۔ملک غلام محمد کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جسمانی عوارض کے علاوہ مسٹر غلام محمد کا ذہن بھی گنڈے دار تھا اور کسی قدر وقفے اور ناغے سے تھم تھم کر کام کرنے کا عادی تھا۔کبھی تو ان کا دماغ صاف شفاف اور تیز طرار ہوتا اور وہ ہر چیز کو بجلی کی سی تیزی کے ساتھ سمجھ لیتے۔لیکن کبھی وہ بلب کی طرح فیوز ہو کر مختل ہو جاتا۔ایسے موقعوں پر وہ کبھی بچوں کی سی حرکتیں کرنے لگتے تھے،کبھی بالکل دیوانے نظر آتے تھے۔''۔۔۔(۲۳)

اخلاق احمد دہلوی(۱۹۱۹ء۔۱۹۹۲ء)نے اور پھر بیان اپنا ۱۹۵۷ء، پھر وہی بیان اپنا ۱۹۷۹ء، یادوں کا سفر ۱۹۹۱ء، اور میرا بیان ۱۹۹۵ء کے عنوان سے آپ بیتیاں لکھیں جن میں واضح طور پر خاکے کے عناصر موجود ہیں۔اور پھر بیان اپنا پہلی بار ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی پھر اس میں کچھ مضامین اور خطوط کے اضافے کے ساتھ پھر وہی بیان اپنا کے عنوان سے ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔اس میں میرا جی کے ایک سے زیادہ خاکے،محمد خلیل الرحمٰن،نہال سیہواروی،شاہد لطیف ،عصمت چغتائی،اسرار الحق مجاز اور فریدہ خانم وغیرہ کے خاکے ہیں۔عصمت چغتائی کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''ضدا ًبیٹی' سعادت مند بہو'مارے خلوص کے بات بات پر میاں سے لڑنے والی بیوی'ممتا نہ ظاہر ہونے دینے والی ماں'اور اسم با مسمیٰ۔۔۔۔ یہ ہیں عصمت جنھیں لوگ عصمت چغتائی کے نام سے بھی جانتے ہیں اور عصمت شاہد لطیف کے نام سے بھی'۔۔۔۔(۲۴)

قتیل شفائی(۱۹۱۹ء۔۲۰۰۱ء) کی آپ بیتی گھنگرو ٹوٹ گئے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔اس میں کئی شعرا و ادبا کا تفصیلی ذکر ہے۔مسعود حسین خان(۱۹۱۹ء۔۲۰۱۰ء)نے آپ بیتی ورودِ مسعود میں رشید احمد صدیقی ،آل احمد

سرور اور کئی شخصیات کا ذکر صاف گوئی اور شخصی خصائل کی نمائندگی کے ساتھ کیا ہے۔ حمید نسیم (۱۹۲۰ء۔ ۱۹۹۸ء) کی آپ بیتی ناممکن کی جستجو ۱۹۹۰ء میں صوفی تبسم، پطرس بخاری، ذوالفقار بخاری، ن۔م۔راشد وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہے اور یہ تحریریں خاکے کہلانے کے لائق ہیں۔ عبادت بریلوی (۱۹۲۰ء۔۱۹۹۸ء) نے اپنی آپ بیتی یاد عہد رفتہ ۱۹۸۸ء میں اپنے آباواجداد، اساتذہ، شہر بریلی کے لوگوں، لکھنو کے یادگار لوگوں، سکول کے ساتھیوں، گورنمنٹ کالج، دہلی کالج، اورینٹل کالج کے اساتذہ و احباب کا مختصر اور طویل ذکر خاکے کے تکنیکی انداز پر کیا ہے۔ اپنے استاد اے پی بیز جی صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میانہ قد، سرخ سفید رنگ، بھرے بھرے گال۔ اس پر چھی ہوئی سفید داڑھی۔ بنگالی کرُتے اور دھوتی میں ملبوس۔ یہ تھے پروفیسر اے۔ پی بیز جی۔ ہمیشہ سفید براق کپڑے پہنتے تھے۔ کرتے کی آستینیں بہت ڈھیلی ڈھالی اور خاصی لمبی ہوتی تھیں جن کو وہ اپنی کہنیوں تک دوہرا کر لیتے تھے، جاڑوں میں وہ بند گلے کا کوٹ اور پتلون پہنا کرتے تھے اور اس لباس میں ان کا چمپئی رنگ کچھ اور بھی دمکتا تھا۔''۔۔۔(۲۵)

شیخ منظور الٰہی (۱۹۲۲ء۔۲۰۰۹ء) کی آپ بیتی ہم کہاں کے دانا تھے۔۔۔، وزیر آغا (۱۹۲۲ء۔۲۰۱۰ء) کی آپ بیتی شام کی منڈیر سے ۱۹۸۶ء، غلام حسین ذوالفقار (۱۹۴۴ء۔۲۰۰۷ء) کی جگر لخت لخت ۲۰۰۴ء میں کئی شخصیات کا ذکر اور مکمل خاکے موجود ہیں۔ شہرت بخاری (۱۹۲۵ء۔۲۰۰۷ء) کی آپ بیتی کھوئے ہوئوں کی جستجو ۱۹۸۷ء میں باقاعدہ اور مکمل خاکے موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے والدین، رشتہ داروں کے علاوہ احسان دانش اور یوسف ظفر وغیرہ کے بھی خاکے مکمل جزئیات نگاری اور خاکہ نگاری کی فنی تکنیک کو ملحوظ رکھتے ہوئے تخلیق کیے ہیں۔ جب کہ ناصر کاظمی، مختار صدیقی، میرا جی، قیوم نظر سے سرسری مگر مکمل ملاقاتوں کی تصاویر پیش کی ہیں۔ انھوں نے اپنے عہد کی داستان اور عصری حالات کے علاوہ قدیم دہلی لکھنو اور لاہور کی بھی سچی تصویر کشی کی ہے۔ جب شہرت بخاری زمانہ طالب علمی میں اپنے استاد سید عابد علی عابد کے پاس چھٹی کی درخواست لے کر گئے، تو واقعہ یوں بیان کیا ہے:

> ''عابد صاحب نے کہا'' بات یہ ہے کہ میرے اختیار میں کیا ہے۔ میرے پاس کیوں آئے ہو؟'' کہا ''اس لیے کہ آپ بھی شیعہ ہیں''۔۔۔۔فرمایا'' غلط میں یہاں پروفیسر سید عابد علی ہوں جو فارسی پڑھاتا ہے۔ بس یہاں نہ میں ہندو ہوں نہ مسلمان نہ شیعہ نہ سنّی۔ تمھیں کسی نے غلط بتایا ہے۔'' عابد صاحب کی اس منطق نے وفد کو لاجواب کر دیا اور میری نظر میں عابد صاحب اتنے قد آور ہو گئے کہ ان کا احاطہ کرنے سے قاصر ہوں۔''۔۔۔(۲۶)

مشتاق احمد یوسفی (۱۹۲۳ء) نے آپ بیتی زر گزشت ۱۹۷۶ء میں لکھی۔ ان کا اسلوب بیان نہایت شگفتہ اور خوش مذاقی کا اہل ہے۔ انھوں نے اس کے دیباچے میں تسلیم کیا ہے کہ اس میں چارکول اسکیچ، کیری کچر اور تصویریں موجود ہیں۔ مسٹر ڈی سوزا کی عادات وفطرت کی عکاسی یوں کی ہے:

''دفتر آتے ہی اپنا سیاہ کوٹ جس کا کالر روزانہ استری کرنے سے چمکنے لگا تھا،کرسی پر ٹانگ دیتا۔نظر اتنی کم زور کہ جب تک ہمارا چہرہ اس کی آنکھ کے ڈھیلے سے تین انچ فاصلے پر نہ ہو ہمیں پہچان نہیں پاتا تھا۔اس فاصلے سے ہمارے سر میں پڑے ہوئے گارڈینیا تیل کی خوش بو سے ہمیں فوراً پہچان لیتا تھا۔''۔۔۔(۲۷)

ڈاکٹر اقبال حسین کی آپ بیتی داستان میری ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔اس میں مصنف نے منشی حیدر بخش مولوی امجد حسین،مولوی محمد حسین،الحاج مولوی امیر حسین،حشمت حسین،ڈاکٹر ذاکر حسین،مسٹر سید نور الہدیٰ ڈاکٹر عظیم الدین احمد،سر عبدالرحیم،سر سلطان احمد،سر سید محمد فخر الدین،مسٹر سید عبد العزیز وغیرہ کے دل کش سوانحی خاکے تخلیق کیے ہیں۔مسٹر شریدھر سو ہنی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جوانی میں خوب صورت ۵۵ برس کے سن میں جوان نظر آتے اور آج بھی۷۳ برس کی عمر میں خوبرو اور توانا ہیں۔گورا رنگ'اچھا قد'ہنس مکھ'دوست پرور اور سخن شناس ہمارے دوست محترم سوہنی صاحب۔ان سے میری ملاقات ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹر سچدا نند سہنا کے یہاں ہوئی اور آج تک اس دوستی میں کوئی فرق نہ آیا ہے۔''۔۔۔(۲۸)

انتظار حسین(۱۹۲۵ء۔۲۰۱۶ء) کی دوآپ بیتیاں چراغوں کا دھواں ۱۹۹۹ء میں اور جستجو کیا ہے ۲۰۱۱ء میں منظر عام پر آئیں۔''چراغوں کا دھواں'' میں حسن عسکری،چراغ حسن حسرت،ناصر کاظمی،حسن لطیفی،سعید محمود،قیوم نظر،انجم رومانی،جمیل جالبی،مولانا صلاح الدین،منیر نیازی،حکیم اشعر،شاکر،زہرہ نگاہ وغیرہ کا تفصیلی ذکر اور شاہد احمد،اشرف صبوحی،ایم اسلم وغیرہ کا مختصر کیا ہے۔شخصیات کے تفصیلی اذکار میں عمدہ خاکوں کی تمام خصوصیات موجود ہیں۔حمید اختر کی حلیہ نگاری کی مثال دیکھیں:

''ایک روز میں نے دیکھا کہ گھر کا پھاٹک دھڑ سے کھلا اور ایک دراز قد شخص داخل ہوا۔گورا چٹا۔بر میں کھدر کا کرتا۔ تنگ موری والا پائجامہ۔گلے میں تھیلا۔علیک سلیک کرتے کرتے فرش پر نشست جمائی۔تھیلا گلے سے اتار کر سامنے رکھا۔کھول کر سامان پھیلایا۔سامان کیا' کچھ پرانے تالے'چابیاں'ایک ہتھوڑی اور ایسے ہی کچھ اوزار۔فوراً ہی ٹھوک پیٹ شروع کر دی اور ساتھ میں مسلمانوں کی حالیہ سیاست پر ایک لمبی گفت گو۔۔۔۔میں نے جان لیا کہ اختر حمید خان ہیں۔''۔۔۔(۲۹)

قرۃ العین حیدر(۱۹۲۷ء۔۲۰۰۷ء) کی خودنوشت کار جہاں دراز دوحصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصّہ ۱۹۷۷ء اور دوسرا حصّہ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوا۔اس میں انھوں نے کئی مشاہیر کا مفصل اور بعض کا سرسری تذکرہ کیا ہے۔ان میں اعجاز حسین بٹالوی،ابن سعید،ن۔م۔راشد،جاوید اقبال وغیرہ شامل ہیں۔اسی طرح مظفر وارثی (۱۹۳۳ء۔۲۰۱۱ء) نے گئے دنوں کا سراغ ۲۰۰۱ء میں کئی ہم عصر شعرا اور دیگر شخصیات کی شخصیت کے منفی ومثبت پہلوؤں سے ان کی شخصیت کا مجموعی تاثر تشکیل دیا ہے۔اے۔حمید (۱۹۲۴ء۔۲۰۱۱ء) نے امرتسر کی یادیں ۱۹۹۱ء میں

دوستوں، احباب کے مختصر حلیے، مرقعے اور تصویریں پیش کی ہیں۔ شیخ حبیب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اب پچپن ساٹھ کے سن کا چوڑا چکلا راجپوتی شان کی سفید گچھے دار مونچھوں اور چمکیلی آنکھوں والا ایک بزرگ سلیٹی شیروانی پہنے چھڑی ہاتھ میں لیے کامریڈ ہوٹل میں داخل ہوا ہے۔ اُسے دیکھ کر مغل بادشاہوں کے شاہی جوب داروں کا خیال آتا ہے ان کا نام شیخ حبیب ہے۔ غالبًا پٹیالے کے ہیں۔ موسیقی پر بڑی دست رس رکھتے ہیں۔''۔۔۔(۳۰)

یوں دیکھیں تو اردو آپ بیتیوں کے بیش بہا خزانے میں خاکہ نگاروں کا واضح رجحان ملتا ہے اور ایسی تحریروں سے مصنفین نے شخصیات و احباب کی یادوں، باتوں اور واقعات کو موثر طور پر محفوظ کر لیا ہے۔ قابل ذکر بات یہ ہے کہ اردو خود نوشتوں کے ایسے حصوں میں خود نوشت نگاروں نے شخصیات کے کردار و خصائل اور شخصیت میں حقیقت پسندی سے رنگ بھرے۔ جس سے بہ خوبی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اردو خود نوشتوں میں کس قدر وسعت اور جاذبیت ہے کہ یہ دوسری اصناف نثر کو بھی کمال مہارت سے اپنا حصہ بنا لینے پر قادر ہیں۔ واضح رہے کہ اردو آپ بیتیوں کے ایسے تمام حصے جن میں خاکہ نگاری کا رجحان ہے بڑی کشش رکھتے ہیں اور کسی بھی آپ بیتی کو لائق مطالعہ بنا دیتے ہیں۔ نیز خاکہ نگاری کا عنصر ان میں گہرائی اور معنویت پیدا کرتا ہے مزید برآں دو اصناف نثر کے امتزاج سے پڑھنے والا دل چسپی محسوس کرتا ہے۔

حوالے:

(۱) حفیظ صدیقی، ابو الاعجاز، کشاف تنقیدی اصطلاحات، مرتبہ نظر ثانی ڈاکٹر آفتاب احمد خاں، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۵ء، ص ۱

(۲) سرور، آل احمد، خواب باقی ہیں، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص ۳

(۳) آزاد، ابوالکلام، تذکرہ، مرتبہ: فضل الدین احمد مرزا، لاہور: مکتبہ عالیہ، مقدمہ از فضل الدین احمد مرزا، ۱۹۱۹ء

(۴) رضا علی، سر، اعمال نامہ، دلی: ہندوستانی پبلشرز، ۱۹۴۳ء، ص ۲۷۷

(۵) پروازی، پرویز، ڈاکٹر، پس نوشت–اردو کی خود نوشتوں کا تجزیہ، جلد چہارم، لاہور: نیا زمانہ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص ۲۹۶

(۶) محمد عبدالرزاق، کانپوری، یاد ایام، حیدرآباد دکن: عبدالحق اکیڈمی، ۱۹۴۶ء، ص ۶۸

(۷) فرحت اللہ بیگ، مرزا، میری داستان، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸ء، ص ۲۴

(۸) شجاع، حکیم احمد، خوں بہا، لاہور: آتش فشاں پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء

(۹) سالک، عبدالمجید، سر گزشت، لاہور: قومی کتب خانہ، ۱۹۵۵ء، ص ۹۷

(۱۰) واحدی، ملا، میرے زمانے کی دلی، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۱۳ء، ص ۵۹

(۱۱) واحدی، ملا، میرا افسانہ، لاہور: نشریات، ۲۰۰۹ء
(۱۲) صدیقی، رشید احمد، آشفتہ بیانی میری، نئی دھلی: مکتبہ جامع لمیٹڈ، ۱۹۸۹ء، ص ۱۲۶
(۱۳) تھانوی، شوکت، مابدولت، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۴۵ء
(۱۴) تھانوی، شوکت، کچھ یادیں کچھ باتیں، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۴ء، ص ۳۵، ۳۶
(۱۵) محمد ظفر اللہ خاں، تحدیث نعمت، لاہور: جسارت پرنٹرز، ۱۹۷۱ء
(۱۶) جوش ملیح آبادی، یادوں کی برات، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۷۵ء، ص ۵۵۱
(۱۷) حسین خان، یوسف، یادوں کی دنیا، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۴ء، ص ۴۶۷
(۱۸) ممتاز مفتی، الکھ نگری، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران، ۲۰۰۵ء، ص ۶۲۲
(۱۹) اختر حسین رائے پوری، گرد راہ، کراچی: حوری نورانی مکتبہ دانیال، ۲۰۰۰ء، ص ۵۷، ۵۸
(۲۰) اختر حسین، حمیدہ، رائے پوری، ہم سفر، کراچی: حوری نورانی مکتبہ دانیال، ۲۰۰۵ء، ص ۸۰
(۲۱) دانش، احسان، جہان دانش، کراچی: المسلم پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۹۱
(۲۲) دانش، احسان، جہان دگر، لاہور: خزینہ علم و ادب، ۲۰۰۱ء، ص ۳۳۱
(۲۳) شہاب، قدرت اللہ، شہاب نامہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص ۶۴۳
(۲۴) اخلاق احمد دہلوی، پھر وہی بیان اپنا، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۷۹ء، ص ۱۲۲
(۲۵) عبادت بریلوی، ڈاکٹر، یاد عہد رفتہ، لاہور: ادارہ ادب و تنقید، ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۵
(۲۶) بخاری، شہرت، کھوئے ہوئوں کی جستجو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸۲
(۲۷) یوسفی، مشتاق احمد، زرگزشت، مشمولہ مجموعہ مشتاق احمد یوسفی، لاہور: جہانگیر بکس، ۲۰۰۷ء، ص ۵۲
(۲۸) اقبال حسین، ڈاکٹر، داستان میری، نئی دلی: لبرٹی آرٹ پریس، ۱۹۸۹ء، ص ۴۰۷
(۲۹) انتظار حسین، چراغوں کا دھواں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص ۳۰۰
(۳۰) اے حمید، امرتسر کی یادیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۹۱ء، ص ۳۲